مخالفین انبیاء کا بندش تبلیغ اور قتل مرتد کا مطالبہ

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۲۷ / جولائی ۱۹۸۴ء بمقام مسجد فضل لندن)

تشہد و تعوذ اور سورۂ فاتحہ کے بعد حضور نے مندرجہ ذیل آیات کی تلاوت فرمائی:

قَالُوْا يٰنُوْحُ قَدْ جٰدَلْتَنَا فَاَكْثَرْتَ جِدَالَنَا فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَاۤ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۳۳﴾ (ھود: ۳۳)

قَالُوْا لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ يٰنُوْحُ لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْمَرْجُوْمِيْنَ ﴿۱۱۷﴾ (الشعراء: ۱۱۷)

لَنُخْرِجَنَّكَ يٰشُعَيْبُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَكَ مِنْ قَرْيَتِنَاۤ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا ؕ قَالَ اَوَلَوْ كُنَّا كٰرِهِيْنَ ﴿۸۹﴾ (الاعراف: ۸۹)

ہمارا غیر احمدی علما کے ساتھ جو اختلاف ہے اس کی تفاصیل پر غور کر کے دیکھیں تو یہ ایک عجیب بات سامنے آتی ہے کہ بنیادوں پر اتفاق ہوتے ہوئے بھی اور سو فیصدی اتفاق ہوتے ہوئے بھی بنیادی اختلافات موجود ہیں۔ یہ حیرت انگیز تضاد ہے جو بظاہر سمجھ نہیں آ سکتا لیکن جب میں اس کی تفصیل بیان کروں گا تو آپ حیران رہ جائیں گے کہ بالکل یہی صورت ہے یعنی بنیادوں پر

سو فیصدی اتفاق ہے۔اس کے باوجود آپس میں بنیادی اختلافات انہیں امور پر موجود ہیں جن میں بنیادی اتفاق ہے مثلاً غیر از جماعت علما جو یہ اعلان کرتے ہیں کہ مرتد کی سزا قتل ہے اور قرآن سے ثابت ہے اور تبلیغ کی اجازت نہیں دی جاسکتی یعنی باطل کو یہ اجازت نہیں دی جاسکتی کہ حق کو تبلیغ کرے۔اس میں ہمارا اور ان کا کوئی بھی بنیادی اختلاف نہیں کیونکہ یہ امر واقعہ ہے کہ قرآن سے یہ ثابت ہے سو فیصدی قطعی طور پر ثابت ہے کہ جب سے مذہب کی تاریخ معلوم ہے ہمیشہ سے یہی دستور چلا آیا ہے کہ مرتد کی سزا قتل قرار دی گئی اور تبلیغ کی اجازت نہیں دی گئی ان کی طرف سے جو اپنے آپ کو حق پر سمجھتے تھے اور دوسرے کو باطل پر سمجھتے تھے۔تو جماعت احمدیہ اس حقیقت کا کیسے انکار کر سکتی ہے جو قرآن سے ثابت ہو اور مذہب کی تاریخ سو فیصدی اتفاق کے ساتھ اس کے حق میں گواہی دیتی ہو۔

جن آیات کریمہ کی میں نے تلاوت کی ہے متفرق سورتوں میں سے، اُن میں اسی مضمون کو بیان کیا گیا ہے مثلاً حضرت نوح ؑ کو مخاطب کر کے ان کی قوم نے کہا قَدْ جٰدَلْتَنَا فَاَكْثَرْتَ جِدَالَنَا اے نوح ؑ! تو نے بہت تبلیغ کر لی ہمیں، بہت جھگڑا کیا ہم سے حد ہی کر دی ہے تو نے تبلیغ کی لیکن اب مزید اجازت نہیں دی جاسکتی۔اب تو یہی ہوگا کہ جس چیز کا تو دعویٰ کرتا ہے کہ تمہیں بطور سزا ملے گی اب اپنے رب کو پکارو اور سزا کی دعائیں کرو اس سے زیادہ ہم مزید تمہیں تبلیغ کی اجازت نہیں دے سکتے۔تو جب قرآن کریم بتا رہا ہے کہ وہ لوگ جو اپنے آپ کو حق پر سمجھتے تھے انھوں نے ان لوگوں کو جن کو وہ باطل پر سمجھتے تھے تبلیغ کی اجازت نہیں دی تو ہم یہ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ قرآن کریم میں یہ موجود نہیں، یہ تو بنیادی حقیقت ہے۔

پھر یہ کہنا کہ مرتد کی سزا قتل نہیں ہے یہ بالکل غلط بات ہے۔قرآن کریم سے ثابت ہے کہ مرتد کی سزا قتل ہے یعنی بعض لوگوں کے نزدیک اور مذہب کی تاریخ اس کو ثابت کرتی ہے۔چنانچہ اگلی آیت میں جو میں نے تلاوت کی تھی اس میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے حضرت نوح ؑ کو مخاطب کر کے ان کی قوم نے کہا کہ اب تو تیرا علاج سوائے اس کے کوئی نہیں ہے کہ تجھے سنگسار کر دیا جائے کیونکہ تبلیغ سے تو باز نہیں آ رہا اور مرتد کرتا چلا جا رہا ہے، باتوں سے نہیں مانا اس لئے اب ہمیں مقابل پر عمل کرنا پڑے گا۔یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ حق کھلی چھٹی دے دے فتنے کی اور باطل کھل کھیلے اور جو چاہے کرتا چلا جائے حق کے ساتھ یہ تو اجازت نہیں دی جاسکتی اس لئے چونکہ ہم تمہیں باطل پر سمجھتے ہیں اور چونکہ ہم یقین رکھتے ہیں کہ ہم حق پر ہیں اس لئے ہمارا حق ہے کہ ہم تمہیں زبردستی روکیں تو نے فتنہ پھیلانے میں کوئی کسر

چھوڑی نہیں ہے باز نہیں آ رہے، سمجھایا تمہیں کئی دفعہ، کئی طریقے سے کہ بس کرو کافی ہوگئی لیکن رک نہیں رہے، تو اس فتنے کا تو پھر یہی علاج ہے کہ تمہیں سنگسار کر دیا جائے۔

حضرت شعیبؑ کی قوم نے بھی اُن سے یہی سلوک کیا۔ چنانچہ قرآن کریم سے پتہ چلتا ہے کہ انھوں نے کہا۔ لَنُخۡرِجَنَّکَ یٰشُعَیۡبُ وَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا مَعَکَ کہ اے شعیب! تمہارا ہم نے یہ علاج سوچا ہے کہ تمہیں سنگسار تو نہیں کریں گے لیکن تمہیں اپنے گھروں سے بے وطن کر دیں گے، تمہارے تمام شہری حقوق چھین لیں گے۔ اَوۡ لَتَعُوۡدُنَّ فِیۡ مِلَّتِنَا یا تمہیں واپس ہماری ملت میں لوٹ کر آنا ہوگا یعنی ارتداد کی ایک یہ بھی سزا سوچی گئی۔ وہ کہتے رہ گئے اَوَلَوۡ کُنَّا کٰرِہِیۡنَ کہ اگر دل نہیں مانے گا تو کیسے تمہاری ملت میں لوٹ آئیں گے لیکن کسی نے ایک نہیں سنی۔

یہی مضمون قرآن کریم آگے بڑھاتا چلا جاتا ہے اور متفرق سورتوں میں قصص انبیاء کے طور پر جو واقعات بیان فرماتا ہے، اس میں یہی مضمون مختلف رنگ میں، مختلف شکلوں میں، مختلف مواقع کے اوپر قرآن کریم کھولتا چلا جا رہا ہے۔ فرماتا ہے اُس کے بعد ابراہیمؑ کی باری آئی اور ابراہیمؑ سے بھی یہی کہا خود اس کے چچا آذر نے جسے باپ کا بھی مقام حاصل تھا اس لئے بطور باپ کے بیان کیا گیا ہے۔ اس نے یہی کہا کہ تو باز آجا ورنہ تجھے سنگسار کر دیا جائے گا اور پھر یہ بھی کہا ان کی قوم نے کہ تمہارا تو اب اس کے سوا علاج نہیں کہ جلتی ہوئی آگ میں جھونک دیا جائے کیونکہ ارتداد کو کوئی قوم دنیا میں برداشت نہیں کرسکتی۔ کیسے ہوسکتا ہے کہ ملت میں فتنہ برپا کیا جا رہا ہو اور بنیادی امور میں اختلاف ہو اور پھر جس قوم کو اکثریت حاصل ہے، جس کو طاقت حاصل ہے، وہ آنکھیں بند کر کے اجازت دے دے کہ جو چاہے، جتنا چاہے فتنہ پھیلاتا چلا جائے، کوئی حد ہونی چاہئے۔ تمہارا علاج اس کے سوا کوئی نہیں کہ تمہیں زندہ آگ میں جلا دیا جائے۔

پھر قرآن کریم حضرت شعیبؑ کے علاوہ صالحؑ کا بھی ذکر فرماتا ہے۔ ہودؑ کا بھی ذکر فرماتا ہے حضرت لوطؑ کا بھی ذکر فرماتا ہے اور ہر طرح پھیر پھیر کر تصریف آیات کے ذریعے اس بات کو ثابت کرتا چلا جاتا ہے کہ مذہب کی معروف تاریخ سے لے کر حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ کے زمانے تک ہمیشہ انسان نے یہ حق اپنے لئے اختیار کیا، اسے اپنایا اور اس پر عمل کیا۔ چنانچہ حضرت لوطؑ

کو مخاطب کرتے ہوئے ان کی قوم نے جو کہا اُس کا ذکر کرتے ہوئے خدا تعالیٰ فرماتا ہے:

وَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ قَرْيَتِكُمْ ۚ اِنَّهُمْ اُنَاسٌ يَّتَطَهَّرُوْنَ ﴿۸۳﴾ (الاعراف:۸۳)

بڑے پاکباز بنے پھرتے ہیں یہ لوگ، لوطؑ اور لوطؑ کے ماننے والے، ان کا تو ایک ہی علاج ہے کہ اگر یہ اتنے پاکباز بنتے ہیں تو اپنے شہروں سے ان کو نکال دو اور بے وطن کر دو۔

تو کوئی ایک بھی نبی ایسا نہیں ہے جس کے زمانے میں یہ دونوں واقعات دہرائے نہ گئے ہوں۔ بہت سی آیات میں خدا تعالیٰ کھول کر بیان فرماتا ہے کہ یہ دعویٰ کیا گیا ہے کہ تم باطل پر ہو ہم حق پر ہیں، ہمارے آباؤ اجداد کا مذہب چلا آرہا ہے، تم نے بدامنی پھیلا دی ہے، تم نے فتنہ وفساد برپا کر دیا ہے، تم ایک کو دوسرے سے الگ کر رہے ہو، ہر قسم کے بظاہر جائز عذر تراشے گئے لیکن بنیادی دعویٰ یہی تھا کہ وہ انسان جسے اکثریت حاصل ہو اسے یہ لازمی حق ہے کہ اقلیت کو اگر وہ جھوٹ پر سمجھے تو اُسے تبلیغ کی اجازت نہ دے اور اختلاف مذہب کے نتیجے میں نہ صرف جبر کا حق ہے بلکہ اگر کوئی ہماری قوم میں سے نکل کر دوسرے عقیدے میں داخل ہو جائے تو اسے قتل کرنے کا بھی حق ہے۔

آنحضرت ﷺ کے زمانے میں بھی بعینہٖ یہی ہوا اور قرآن کریم کھول کر اس مضمون کو بیان فرما رہا ہے اور تاریخ اسلام اس پر خوب تفصیل سے روشنی ڈال رہی ہے کہ یہی دو باتیں آپؐ کے وقت میں بھی بیان کی گئیں کہ تم ہماری ملت سے پھر رہے ہو اس لئے تمہارا علاج موت ہے اور ہر قسم کی سزائیں دینا ہمارا حق ہے کیونکہ ہم اپنے آپ کو حق پر سمجھتے ہیں، تمہیں باطل پر سمجھتے ہیں اور تبلیغ کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔ کسی قیمت پر یہ نہیں ہوگا کہ باطل جو چاہے فساد پھیلاتا پھرے، فتنے کھڑا کرے اور حق چپ کر کے سنتا رہے اور تبلیغ کی اجازت دے دے۔ یہ کیسے ممکن ہے؟

چنانچہ آنحضرت ﷺ اور آپؐ کے ساتھی شدید تکلیفوں اور مصائب کے باوجود جب تبلیغ سے رکے نہیں تو وہ مشہور واقعہ جو عام طور پر مسلمان بچوں کو بھی علم ہے وہ پیش آیا کہ ابوطالب کے پاس اُن کی قوم گئی اور بڑا واویلا کیا اور کہا کہ دیکھو تمہاری پناہ حاصل ہے تمہارے بھتیجے کو لیکن چونکہ اب فتنہ و فساد کی حد ہو گئی ہے اور ہمارے معبودوں کو وہ گالیاں دیتا ہے، انہیں جھوٹا قرار دیتا ہے، جن کی ہم عزت کرتے ہیں ان کو بے عزت کرتا ہے اور ہماری قوم میں افتراق پیدا کر رہا ہے اس لئے اب مزید

اس کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔صرف اس حالت میں وہ یہاں رہ سکتا ہے کہ اب خاموش رہے اور تبلیغ نہ کرے۔ چنانچہ حضرت ابو طالب حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔اور کہا میرے بھتیجے، میرے بیٹے ،اس طرح قوم مجھ سے کہہ رہی ہے۔اور صرف یہی نہیں کہہ رہی بلکہ وہ اس پیشکش کے ساتھ کچھ مراعات بھی تمہیں دینا چاہتی ہے اور پیغام یہ ہے کہ اگر تم یہ چاہتے ہو کہ عرب کا بادشاہ بن جاؤ تبلیغ کا مقصد یہی ہوگا کہ ساری قوم تمہارے پیچھے لگ جائے ،تمہیں اکثریت حاصل ہو جائے اور حکومت کے بھوکے ہو تمہیں حکومت عطا ہو جائے تو تبلیغ چھوڑ دو حکومت ہم تمہیں دیتے ہیں۔ یہ کون سی بات ہے، حکومت سے ہمیں کوئی اختلاف نہیں ،حکومت ہم دینے کے لئے تیار ہیں۔ وہ قوم موجودہ زمانے کی قوموں سے اس لحاظ سے ضرور مختلف تھی۔آج کل کہتے ہیں حکومت نہیں دینی اور جو مرضی کرلو لیکن اُن قوموں میں اتنی عقل تھی کہ اصولوں کی حفاظت کرتے تھے۔وہ کہتے تھے ہمیں اصولی اختلاف ہے ،حکومت کی لالچ نہیں ہے اس لئے حکومت بے شک لے لو لیکن اصول نہیں ہم توڑنے دیں گے بہر حال بہت بہتر نمونہ تھا اس لحاظ سے۔چنانچہ حضرت ابو طالب نے پیغام جاری رکھا اور فرمایا کہ دیکھو وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر تمہیں دنیا کی حسین ترین عورت چاہئے ہو کیونکہ انسانی زندگی کی جو دوڑ ہے، جو جدو جہد ہے اس میں حکومت بھی ہے اور عورت کی تمنا بھی ہوتی ہے اور بے انتہا فساد جو سوسائٹیوں میں پھیلا ہوا ہے اس میں یہی چاہت پیچھے سے کام کر رہی ہے۔چنانچہ کیسا اچھا نفسیاتی تجزیہ کیا انہوں نے، انہوں نے کہا تم انگلی رکھو اور عرب کی حسین ترین دوشیزہ ہم تمہارے خدمت میں حاضر کر دیں گے لیکن تبلیغ سے باز آجاؤ۔ پھر انہوں نے کہا کہ ایک تیسری چیز جس نے ساری دنیا میں فساد برپا کر رکھا ہے وہ دولت ہے تو ہوسکتا ہے ان کی خواہش یہ ہو کہ عربوں میں تبلیغ کر کے جب حکومت بنالوں گا تو سارے عرب کی دولت سمیٹ لوں گا ،دکانداری بنانی ہے۔ چنانچہ انہوں نے کہا کہ اگر دولت کی بحث ہے تو پھر فساد چھوڑو، دولت ہم دینے کے لئے حاضر ہیں، سارے عرب کی دولت تمہارے قدموں پر نچھاور کر دیں گے لیکن تم خاموش ہو جاؤ۔

آنحضرت ﷺ خاموشی سے اور بڑے درد سے اس بات کو سنتے رہے اور پھر فرمایا کہ اے میرے چچا! معلوم ہوتا ہے آپ مجھے پناہ دیتے دیتے تھک گئے ہیں۔اور اب چاہتے ہیں کہ اپنی پناہ کو اٹھالیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ مجھے تو آپ کی پناہ کی ضرورت نہیں مجھے تو میرے خدا کی پناہ کی ضرورت

ہے اور اس بات کی کوئی پرواہ نہیں کہ آپ اپنی پناہ ہٹاتے ہیں اور کوئی شکوہ نہیں آپ اپنی پناہ کو دور کر لیجئے مگر جہاں تک ان کے پیغام کا تعلق ہے خدا کی قسم اگر یہ سورج کو میرے دائیں ہاتھ پر بھی لا کر رکھ دیں اور چاند کو میرے بائیں ہاتھ پر لا کر بھی رکھ دیں تب بھی میں تبلیغ اسلام سے باز نہیں آؤں گا۔ یہ جواب تھا حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ کا۔ (السیرۃ النبویہ لابن ھشام جلد۲ صفحہ: ۹۷-۱۰۱)

تو اس دور تک جو سیدؐ الانبیاء کا دور ہے، اس وقت تک تو یہ دستور نہیں بدلا تھا۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ تمہیں بھی اتفاق ہے اس پر۔ یہ تاریخ متفق علیہ ہے، قرآن کی بیان کردہ ہے اور سنت نے اس کی حفاظت فرمائی ہے کہ اختلاف صرف اتنا ہے کہ اب یہ بتاؤ کہ یہ پھر دستور الٹا کس وقت ہے۔ کب یہ فیصلے ہوئے تھے؟ کس کتاب میں اس کا ذکر ملتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے اچانک اس سارے مضمون کو الٹا دیا ہو۔ جن لوگوں پر لعنتیں ڈالتا آیا ہو اور ساری تاریخ میں اُن لوگوں کا ذکر کر کے ان پر لعنتیں ڈالی ہوں کہ کیسے ظالم لوگ تھے کہ اس وجہ سے کہ اپنے آپ کو حق پر سمجھتے تھے اور کسی کو باطل پر سمجھتے تھے۔ انسانی بنیادی حقوق پر تبر رکھ دیا اور باہمی تبادلۂ خیالات کی روکو روک دیا جس کے بغیر نہ انسانی عقل ترقی کر سکتی ہے، نہ معاشرہ ترقی کر سکتا ہے، نہ صداقت پنپ سکتی ہے اور سزائیں تجویز کیں اختلاف عقیدہ کے نتیجے میں تبادلۂ خیالات پر اور وہاں دخل دیا جہاں انسان دخل دے نہیں سکتا یعنی دل کے اوپر حملہ کیا اور کہا کہ اس دل کو بدلو ورنہ ہم تمہیں قتل کر دیں گے کیونکہ ایمان اور یقین کا تعلق تو دل سے ہے یعنی جسے عام دنیا کے عرف عام میں دماغ بھی کہا جاتا ہے لیکن قرآنی محاورے میں اسے دل کہتے ہیں تو کہتے ہیں دل تبدیل کرو ورنہ ہم تمہیں قتل کریں گے۔ یہ جنگ چلی آرہی ہے جب سے مذہب کی تاریخ ہمیں معلوم ہے جس کی قرآن نے حفاظت کی اور اُسے بار بار دہرایا اور ہر مرتبہ قرآن کریم نے یہ نتیجہ نکالا کہ وہ لوگ ہلاک ہو گئے فَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ (الدخان:۳۰) ان کے اوپر آسمان نے پھر آنسو نہیں بہائے اس طرح ان کو صفحۂ ہستی سے مٹا دیا گیا کہ ان کے نشان مٹ گئے، ان دو جرائم کے نتیجے میں کہ وہ تبلیغ سے روکتے تھے اور قتل مرتد کا عقیدہ رکھتے تھے اور کہتے یہ تھے بات کو سجا کر اور بنا کر کہ ہمارے آباؤ اجداد کا مذہب ہے، ہم حق پر ہیں تم باطل پر ہو ہم تمہیں جھوٹا سمجھتے ہیں، کھلم کھلا مفتری سمجھتے ہیں اس لئے ہمیں یہ حق ہے۔

اختلاف ہمارا اور غیر احمدیوں کا صرف اتنا ہے کہ ہم کہتے ہیں یہاں تک تو درست ہے لیکن یہ

بتاؤ کہ یہ دستور بدلا کب ہے کہ حق نے وہ ساری باتیں اختیار کر لی ہوں جس پر لعنتیں ڈالتا آیا تھا اور باطل کے ذمہ وہ ساری خوشنودیاں لگا دی ہوں وہ اچھے دستور لگا دیئے ہوں جس کی قرآن کریم تعریف کرتا چلا آیا تھا کہ بڑے صبر اور حوصلے سے انہوں نے ان باتوں کو برداشت کیا۔ وہی بات ہے کہ

پر ترے عہد سے آگے تو یہ دستور نہ تھا

(فیضؔ)

اور پرانی قومیں قیامت کے دن خدا کو مخاطب کر کے کہ کیا یہ نہیں کہیں گی کہ اے خدا! تیرے قرآن میں جو سب سے اعلیٰ کتاب بیان کی گئی، سب سے کامل کتاب اسے کہا گیا، اس نے تاریخ میں ہمارا ذکر کیا اور ان دو عقیدوں کی بنا پر ہم پر لعنتیں ڈالیں اور پھر کیا واقعہ ہو گیا کہ نعوذ باللہ من ذالک سید ولد آدمؐ کے مذہب کو تو نے خود ویسا ہی بنا دیا ہے جس پر تو لعنتیں ڈالتا چلا آ رہا ہے اس سے بڑا ظالمانہ الزام حضور اقدس ﷺ کے پاک مذہب پر نہیں لگایا جا سکتا۔ اس لئے دل آزاری ہماری ہوتی ہے نہ کہ ان کی تبلیغ سے دل آزاری کی کوئی سند قرآن کریم میں موجود نہیں لیکن یہ ظالمانہ فعل کہ سید ولد آدمؐ جس کا مذہب سب سے زیادہ پاک، سب سے زیادہ حسین جو رحمۃ للعالمین ہوا اور اس کا مذہب بھی تمام رحمت ہی رحمت ہو اس پر یہ الزام کہ اس نے از خود سارے زمانے کے دستور کو بدل کر مکروہ چیزیں نعوذ باللہ اپنے پلے میں رکھ لیں اور جو حسین چیزیں تھیں وہ دشمن کے ہاتھ میں پکڑا دیں اتنا جاہلانہ تصور ناممکن ہے کہ آنحضور ﷺ کے ساتھ سچی محبت ہو اور پھر بھی کوئی اختیار کر جائے۔ جہالت کی بھی تو کوئی حد ہونی چاہئے۔ لیکن یہ بھی نہیں سوچتے کہ قرآن کریم ان معنوں میں بھی کامل کتاب ہے کہ جو وہ تعلیم دیتی ہے اس کے برعکس پر عمل ممکن ہی نہیں ہے یعنی اختیار کی بات نہیں رہتی انسان کے لئے۔ رشد اس کو کہتے ہیں کہ ایسی تعلیم جس کا انکار کرنے کی تو تمہیں اجازت ہوگی لیکن جب تم اس پر عمل کرنے لگو گے تو بے بس پاؤ گے اپنے آپ کو، بے اختیار ہو جاؤ گے اور کوئی چارہ نہیں رہے گا۔

چنانچہ دیکھئے قتل مرتد کے عقیدے کے نتیجے میں کیا نتیجہ پیدا ہوتا ہے؟ بالکل برعکس نتیجہ ان مقاصد کے برعکس پیدا ہوتا ہے جن مقاصد کے نام پر قتل مرتد کا عقیدہ جاری کیا گیا یعنی اس لئے کہا گیا قتل مرتد جائز ہے کہ حق کی حفاظت کی جائے اور جھوٹ کو اور باطل کو اپنی سوسائٹی سے باہر نکال کے پھینک دیا جائے۔ یہ دعویٰ ہے، اگر یہ دعویٰ سچا ہے تو قتل مرتد کے عقیدے پر عمل کر کے دیکھئے کہ نتیجہ کیا

نکلتا ہے۔ظاہر بات ہے بالکل معمولی سی عقل بھی رکھتا ہوا انسان تو اسے یہ بات سمجھ آجائے گی کہ جس سوسائٹی میں قتل مرتد کا عقیدہ رائج کر دیا جائے وہاں جو لوگ صادق القول ہیں اور جو اپنے ظاہر و باطن میں ایک ہیں ان میں کوئی نفاق نہیں ہے اور وہ سچائی کی خاطر ہر قربانی دینے کے لئے تیار ہیں۔ ایسے وہ لوگ جو انسانیت کا خلاصہ ہیں، یہ سارے قتل کر دیئے جائیں گے کیونکہ ایک بھی ان میں سے پیچھے نہیں ہٹے گا۔ وہ کہے گا کہ سچ کے نام پر میں سچ کا انکار کیسے کر سکتا ہوں کیونکہ میرا دل کہتا ہے کہ یہ بات درست ہے اس لئے تم بے شک اسے باطل سمجھو میں جب تک درست سمجھتا رہوں گا۔اس وقت تک میرے لئے ممکن نہیں ہے کہ میں اسے جھوٹ کہہ دوں ۔ یہی وہ جواب تھا حضرت شعیبؑ کا اَوَلَوْ كُنَّا كٰرِهِيْنَ ﴿۸۹﴾ احمقو! دعویٰ وہ کر بیٹھے ہو، جس پر عمل کروا نہیں سکتے۔ ہمارے دل ہی نہیں مان رہے تو کیسے تلوار سے دل منوالو گے۔

پس تمام وہ لوگ جو سچے ہیں اپنے قول اور فعل میں اور ان کے کردار میں کوئی تضاد نہیں وہ اصول کے رسیا ہیں اور اصولوں پر قائم رہنا جانتے ہیں۔ایسی سوسائٹی میں ان کا قتل عام ہو جائے گا اور ایک بھی نہیں بچے گا اور وہ جو جھوٹے ہیں، بدکردار ہیں جو منافق بننا پسند کرتے ہیں اپنے لئے اور اصولوں کی کوئی قیمت نہیں سمجھتے وہ سارے کے سارے قتل مرتد کے نتیجے میں اس سوسائٹی میں لوٹ جائیں گے جس کی طرف انہیں بلایا جا رہا ہے۔اعلان یہ ہو رہا تھا کہ حق کی حفاظت کی خاطر باطل کو مٹانے کے لئے ہم نے یہ فعل کیا۔نتیجہ یہ نکلا کہ حق کو مٹا دیا اور باطل کو سینے سے لگا لیا اور منافقت کی پرورش کی۔

قرآن کریم میں انبیاء کے آنے کی غرض یہ بیان فرمائی گئی لِيَمِيْزَ اللّٰهُ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ (الانفال:۳۸) کہ اللہ تعالیٰ خبیث چیز کو طیب سے الگ کر دے اور قتل مرتد کے عقیدہ نے نتیجہ کیا پیدا کیا کہ خبیث کو الگ نہیں ہونے دینا اگر ہو بھی گیا تھا کمبخت کہیں، تو واپس لے آؤ اور اچھی طرح طیب میں ملا جلا دو تا کہ کچھ سمجھ نہ آئے دانہ صاف کون سا ہے اور گندہ کون سا ہے؟ یہ نہیں سوچا کہ ایک قطرہ پیشاب بکری کا اگر دودھ میں مل جائے یا ایک مینگنی بھی مل جائے تو سارا دودھ گندہ ہو جاتا ہے۔تو جتنی محنت کی تھی انبیاء نے، جتنی قربانیاں دی تھیں اور سب سے بڑھ کر حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ نے محنت فرمائی اور قربانیاں دیں اس ساری محنت کو اس ایک عقیدے کے ذریعہ ضائع کر دیا بلکہ بالکل برعکس نتیجہ پیدا کر دیا۔وہ کمائی محنت کی جس کے نتیجے میں خبیث الگ ہو رہے تھے اور پاکیزہ

الگ ہو رہے تھے اور اس کے لئے ایک با قاعدہ دستور العمل جاری کیا گیا تھا اور وہ دستور عمل یہ تھا کہ پاکیزہ کے لئے ضروری قرار دے دیا کہ سختی کی چھانی میں سے گزرو تکلیفوں اور مصیبتوں میں سے نکل کر دکھاؤ تب ہم مانیں گے تم پاکیزہ ہو اور جو خبیث تھے ان کے لئے یہ دستور العمل مقرر فرمایا کہ تم پر کوئی حرج نہیں تم زندگی کے عیش کرو، جو چاہو لذتیں حاصل کرو اور تمہیں قربانی پیش کرنے کی ضرورت نہیں ہاں اگر فساد برپا کرنا ہو تو پیسے لے کر کسی سے بیشک کرو، کھلی چھٹی ہے لیکن جن کو ہم طیب بنانا چاہتے ہیں ان کے لئے یہ دستور ہے کہ وہ قربانیاں بھی دیں اور پھر پیسے بھی ساتھ خدا کی راہ میں خرچ کریں۔ غریب ہوتے ہوئے بھی اپنے آپ کو لٹائیں اللہ کی راہ میں، یہ دستور العمل تھا جو ہمیشہ سے چلا آرہا ہے اور آنحضرت ﷺ کے زمانے تک جاری رہا اور اب پھر جاری ہے ان کی نظر میں جن کی نظر اندھی نہیں ہوگئی ان کو تو نظر آرہا ہے۔

تو اس ساری محنت کو جو تاریخ کی گہرائیوں میں پیوست چلی آرہی ہے اُس کو آناً فاناً باطل کر کے بالکل برعکس نتیجہ پیدا کر دیا کہ نہیں، باطل کو حق سے الگ نہیں ہونے دیا جائے گا۔ مار کر، جوتیاں مار کر، تکلیفیں دے کر، قتل کر کے، زندہ جلا کر، گھروں سے نکال کر، سب ہتھیار استعمال کر کے واپس لے آیا جائے گا اپنی ملت میں اور کہا جائے گا تم یہیں سجتے تھے، تم یہیں آجاؤ اور جو سچے ہیں ان کو قتل و غارت کر کے ختم کر دیا جائے۔ یہ ہے وہ دستور جس کے اوپر بڑے بڑے وقت کے علما اتنی لمبی لمبی تقریریں کر رہے ہیں۔ حیرت ہوتی ہے ان کو دیکھ کر ان کی شکلیں دیکھ کر یہ کہہ کیا رہے ہیں؟ کس کی طرف منسوب ہو رہے ہیں؟

جہاں تک تبلیغ کا تعلق ہے اس میں بھی چونکہ قرآن کی تعلیم کے خلاف بات ہے اس لئے نہیں چل سکتی۔ میں نے ایک دفعہ بڑی تفصیل سے غور کر کے دیکھا تو حیران رہ گیا کہ قرآنی تعلیم کا یہ امتیاز ہے ایک عجیب کہ دنیا کی ہر دوسری تعلیم سے کہ اس تعلیم کو چھوڑ کر اگر تم عمل کرنے کی کوشش کرو گے تو ناکام ہو جاؤ گے۔ عمل کر ہی نہیں سکتے اور عمل کرو گے اگر زبردستی تو نتیجہ الٹ نکلے گا۔ اس کو کہتے ہیں حق کا کھلم کھلا بینات کے طور پر واضح ہو جانا یعنی کسوٹی ہے کہ آپ استعمال کر کے دیکھ لیں اسلامی تعلیم کو چھوڑ کر برعکس اختیار کریں۔ نتیجہ الٹ جائے گا ساتھ ہی۔ تو یہ یقین ہو گیا کہ یہ تعلیم اپنی تمام تفاصیل میں سچی ہے۔ تبلیغ کے متعلق دیکھیں وہاں بھی یہی صورت حال نظر آئے گی۔ کہتے ہیں باطل کو اجازت نہیں دی جاسکتی کہ حق کو تبلیغ کرے کیا اس کے نتیجہ میں اس کا برعکس بھی درست ہے کہ حق کو اجازت نہیں دی جاسکتی کہ باطل کو تبلیغ

کرے؟ کہتے ہیں نہیں، بالکل درست نہیں۔ حق کو حق ہے کہ باطل کو تبلیغ کرے۔ یہاں تک تو بات سمجھ میں آگئی۔ آگے چلئے تبلیغ کیسے کرے کہ تم یہ بات مان جاؤ اور اگر نہیں مانو گے تو ڈنڈے ماریں گے اور اگر نہیں ماننی تو نہ مانو لیکن آگے سے جواب دینے کا حق تمہیں کوئی نہیں ہے۔ تمہیں سمجھ آئے یا نہ آئے تم خاموشی سے سنتے رہو۔ یہ تبلیغ کا دستور کہاں سے لیا گیا ہے؟ یہ تو ساری قرآنی تاریخ اس دستور کو جھٹلا رہی ہے، بحثیں ہوا کرتی تھیں بلکہ برعکس نتیجہ تھا۔

قرآنی تاریخ ہمیں یہ بتاتی ہے کہ انبیاء دلائل پیش کرتے تھے اور وہ ڈنڈوں پر آجاتے تھے مخالفین اور وہ کہتے تھے بس کرو اب ورنہ آیا ڈنڈا اور انبیاء کہتے رہ جاتے تھے کہ تبلیغ کرو ہمیں هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ (البقرہ:۱۱۲) ایک جگہ نہیں متعدد جگہ قرآن کریم میں یہ آیت موجود ہے اسی مضمون کی کہ بار بار انبیاء کہتے رہے کہ دلیل تو لاؤ بھائی؟ دلیل سے بات کرو۔ وہ کہتے تھے دلیل ولیل ہم نہیں جانتے اب کافی ہوگئی ہے اب ہم ڈنڈا اٹھائیں گے تو یہ تبلیغ تھی انبیاء کی نعوذ باللہ من ذالک، وہ کہتے تھے کہ مانو ورنہ ہم اٹھاتے ہیں ڈنڈا اور یہ چل نہیں سکتی یہ تو ویسی تبلیغ ہے جیسے کسی بادشاہ کا بت تھا جو ایک کسی زمانے میں لاہور میں چیرنگ کراس میں نصب ہوتا تھا۔ اس کے ایک ہاتھ میں تلوار تھی اور ایک ہاتھ میں قلم تھا اور انسکرپشن (Inscription) یہ بتاتی تھی کہ باتوں سے مان جاؤ ورنہ تلوار گرے گی اور زبردستی تمہیں ٹھیک کریں گے۔ یہ برٹش حکومت کا خلاصہ تھا جو اس بت کی شکل میں بیان کیا گیا کہ زبان سے مانو ورنہ لاتوں کے بھوت باتوں سے نہیں مانتے پھر لاتیں بھی آئیں گی پیچھے۔ تو یہ وہ انگریزی قوم کی تبلیغ تھی جو کہ نعوذ باللہ من ذالک قرآن کریم نے اختیار کرلی ہے یا جسے سنت انبیاء فرمایا نعوذ باللہ من ذالک۔ بالکل نہیں۔ وہ تبلیغ جو تم کہتے ہو چل ہی نہیں سکتی پس اگر یہ کہو گے کہ ہماری باتیں سنو اور جواب میں تمہارے ذہن میں کوئی بھی خیال آئے اس کو تمہیں بتانے کا حق نہیں تو پھر تبلیغ کا راستہ عملاً بند کر دیا یعنی حق کی تبلیغ کا راستہ بند کر دیا کیونکہ جب تک شکوک بیان نہ کئے جائیں اُس وقت تک کسی انسان پر تبلیغ کارگر نہیں ہوسکتی۔ تو کہنا یہ چاہتے تھے کہ باطل کی تبلیغ کا رستہ بند کر رہے ہیں، نتیجہ یہ نکلا کہ حق کی تبلیغ کا رستہ بند کر دیا اپنے ہاتھوں سے، بالکل برعکس نتیجہ ہے اور اگر اجازت دے دیں ان کو بولنے کی، تو پھر ہاتھ کیا آیا؟ وہ جب جواب دیں گے وہی تو ان کی تبلیغ ہے۔ جب وہ کہیں گے کہ میاں ہمیں یہ سمجھ نہیں آرہی ہمیں تو قرآن کریم یوں لگتا ہے کہ یہ کہہ رہا ہے تو کیا وہ تبلیغ نہیں ہوگی؟ تو کس طرح بند کریں گے؟ ناممکن ہے سوائے اس کے کہ خودکشی کی جائے اور تبلیغ کا

بالکل برعکس نتیجہ پیدا کر دیا جائے، اُس وقت تک یہ قانون جاری ہی نہیں ہوسکتا کسی ملک میں۔

تو کتنا عظیم الشان کلام ہے خدا کا، کیسا حسین اور کامل ہے کہ برعکس اختیار کرنے کے اجازت ہی نہیں دیتا۔ زور لگا کے دیکھ لو تم نا کام اور نامراد رہ جاؤ گے اور قرآنی تعلیم کے برعکس تعلیم کو جاری نہیں کر سکتے یا جاری کرو گے تو برعکس نتیجے بھی ساتھ حاصل کرو گے۔ اپنے مقصد کے نتائج کے حاصل نہیں کر سکتے۔ لیکن جب قوموں کی عقلیں ماری جاتی ہیں تو پھر یہی ہوا کرتا ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ یہ بھی نہیں سوچا جارہا کہ اس کے دوسرے لوازمات کیا ہیں اور اس کے بعد میں پیدا ہونے والے اثرات دنیا پر کیا ہوں گے۔ امر واقعہ یہ ہے کہ سارے عالم میں اسلام کی تبلیغ بند کرنے کی اس سے بہتر ترکیب کسی ظالم کو نہیں سوجھ سکتی تھی کیونکہ اگر ایک ملک میں کوئی انسان اپنی اکثریت کی بنا پر یہ حق منوالے کہ چونکہ ہم اکثریت میں ہیں اور ہم حق پر ہیں، یہ یقین رکھتے ہیں اپنے آپ کو کہ ہم حق پر ہیں۔ حق پر ہونے کا انسانی نسبت کے لحاظ سے اس سے زیادہ معنی کیا ہی نہیں جاسکتا کیونکہ Absolute اور غیر مشروط فیصلہ سوائے خدا کے کوئی نہیں کرسکتا لیکن یہ ضرور ہے کہ بہت سے انسان بعض باتوں پر پیدا ہوتے ہیں، ورثے میں حاصل کرتے ہیں اور موت تک وہ کامل یقین اس بات کا رکھتے ہیں کہ ہم حق پر ہیں اور ہمارے مخالفین باطل پر ہیں اور ایک لمحہ کے لئے بھی ان کو اس بات میں شک نہیں پڑتا۔ تو اگر دنیا کے کسی ملک میں کوئی اکثریت یہ فیصلہ کرے کہ چونکہ عقلاً باطل کو یہ اجازت نہیں دی جاسکتی کہ حق میں فتنہ پھیلائے اور پھسلا کر اور کئی طریقے اختیار کر کے ہماری آدمی توڑنے شروع کر دے اور اقلیت کو اکثریت میں بدلنے لگ جائے۔ یہ ملک میں اتنا بڑا فتنہ کسی نظریاتی مملکت میں برداشت نہیں کیا جاسکتا۔

یہ نظریاتی مملکت کا محاورہ بھی اشتراکیوں سے ایسا سیکھا ہے بعض لوگوں نے کہ عقلیں گم ہوگئی ہیں سوچتے ہی نہیں کہ یہ کیا محاورہ ہم نے اختیار کرلیا ہے اور چونکہ رائج ہو چکا ہے اس لئے بغیر سوچے سمجھے اچھے تعلیم یافتہ لوگ بھی اس کو چپ کر کے تسلیم کر رہے ہیں کہ کسی نظریاتی مملکت میں اس نظریہ کے خلاف بات تسلیم نہیں کی جاسکتی یعنی اس کو اجازت نہیں دی جاسکتی۔ کل تک تو اشتراکیوں کو ظالم قرار دیتے تھے، کہتے تھے حد ہوگئی، اندھیر نگری ہے کہ نظریات کے اوپر پہرے بٹھا دیئے ہیں اور آج یہ اتنا منجھا ہوا محاورہ بن گیا ہے کہ بڑے بڑے بظاہر تعلیم یافتہ لوگ بھی اسے باقاعدہ دلیل کے

طور پر پیش کرتے ہیں کہ نظریاتی مملکت میں اجازت نہیں دی جاسکتی۔ چونکہ یہ اس کے پس منظر میں بعض بڑی طاقتیں کام کر رہی ہیں، مذاہب سے کھیل رہی ہیں اس لئے ان کی انٹیلی جینس کے بنائے ہوئے محاورے ہیں یہ سراسر اس سے زیادہ ان کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔

بہر حال اس اصول کو اگر تسلیم کر لیا جائے تو یہ تسلیم کئے بغیر یہ اصول تسلیم ہو ہی نہیں سکتا کہ انسان کو حق ہے کہ جس بات کو حق سمجھے اور یقین کرے اگر اس کا زور چلے تو اس کے برعکس بات سننے سے بھی انکار کر دے اور سنوانے کی اجازت بھی نہ دے کسی کو، سنانے کی اجازت بھی نہ دے اور کسی کو سننے کی بھی اجازت نہ دے۔ یہ بنیادی حق جب تک انسان کا تسلیم نہ ہو کسی مذہب کو اس کے اختیار کرنے کی اجازت دی نہیں جاسکتی۔ تو جب آپ تسلیم کر لیں گے تو وہاں تو تبلیغ اسلام اس طرح بند ہو گئی ملک میں کہ اگلے بیچارے کو بولنے کی اجازت نہیں۔ وہ بولے گا تو مار کھائے گا نہ بولے گا تو ایمان گنوائے گا۔ اس بیچارے کے لئے تو نہ جائے ماندن نہ پائے رفتن، کوئی صورت ہی نہیں رہتی سوائے اس کے کہ دل ہی دل میں مذہب سے متنفر ہونا شروع ہو جائے اور کہے کہ سارا قصہ ہی بکواس ہے یہ ظلم اور خدا کے نام پر! ہم کیسے یہ مان سکتے ہیں۔ تو وہاں تو ناکام ہو گیا یہ اور غیر ممالک کا جہاں تک تعلق ہے وہ اس حق کو استعمال کریں گے۔

چنانچہ ہندوستان ہے وہاں ہندو اکثریت ہے اور وہ اپنے آپ کو حق پر سمجھتے ہیں اور مسلمانوں کو بالکل باطل سمجھتے ہیں اور ان کی کتاب کی تعلیم ہماری کتاب کی تعلیم سے مختلف ہے۔ وہ بگڑی ہوئی تعلیم جو انہوں نے ورثے میں پائی ہے اس کی رو سے تو ہر غیر کو انتہائی ظالمانہ تکلیفیں دے کر ختم کرنا عین ثواب ہے۔ یہ عجیب بات ہے کہ اس کو اپنا لیا گیا ہے وہاں سے اور اختیار کیا جا رہا ہے لیکن میں قرآن کا مقابلہ کر رہا ہوں۔ اگرچہ آج کل بعض مسلمان کہلانے والوں نے بھی یہ ہندو تعلیم اپنالی ہے لیکن قرآن میں اس کا ذکر نہیں اس لئے جب میں کہتا ہوں کہ قرآن کے مقابلے پر ان کی یہ ظالمانہ تعلیم ہے تو بالکل درست کہہ رہا ہوں بہر حال ان کو حق ہے اور اگر وہ اس حق کو استعمال کریں تو چند لاکھ، چند نفوس کو تباہ و برباد کرنے کے نتیجے میں چودہ کروڑ مسلمانوں کے لئے ہلاکت کے سامان پیدا کر لیں گے اور جائز حق دے دو گے بظاہر ایک قوم کو۔

بعینہ یہی سوال جو 1953ء کی تحقیقاتی عدالت تھی اس میں جسٹس منیر نے مولانا مودودی

صاحب سے کیا اور بڑے ذہین آدمی تھی بڑی باریک بین نظر تھی ان کی۔ انہوں نے مولانا مودودی صاحب سے سوال کیا کہ مولانا آپ یہ کہتے ہیں کہ یہ حق حاصل ہے ہمیں کہ چونکہ ہم حق پر ہیں اس لئے باطل کو نہیں پنپنے دیں گے اور باطل کے خلاف ڈنڈا استعمال کریں گے اور یہ عقلی بنیادی حق انسان کو حاصل ہے۔ اگر یہ بات درست ہے تو انہوں نے پوچھا کہ آپ کے ہمسائے میں ہندوستان ہے کیا ہندوؤں کو بھی آپ یہ حق دیں گے یا اُن کو انسانیت سے ہی خارج کر دیں گے تو مولانا مودودی نے فرمایا کہ ہاں ہندو کو بھی ہم حق دیں گے۔ انہوں نے کہا بہت اچھا اگر ہندو کو حق دیں گے تو وہ آپ کو اچھوت بنائے گا اپنے مذہب کے مطابق اور یہ یہ مظالم کرے گا اور اگر گزرتے ہوئے کسی وقت آپ کے کان میں ویدکی آواز پڑ جائے تو سیسہ پگھلا کر اس کان میں ڈالا جائے گا۔ اگر سایہ پڑ جائے کسی ہندو کے کھانے کی جگہ پر تو عذاب دے کر مروایا جائے گا اور یہ تفاصیل اور یہ ہندو مذہب ہے وہ اپنے آپ کو حق پر سمجھتے ہیں۔ تو کیا آپ کے نزدیک یہ ٹھیک ہے؟ انہوں نے کہا بالکل درست ہے، ہمیں کوڑی کی بھی پرواہ نہیں کہ ہندوستان کے مسلمانوں پر کیا ظلم ہوتے ہیں، ہم تو قائم رہیں گے اس بات پر۔ یہاں پہنچ جاتا ہے انسان جب حق کو چھوڑتا ہے۔

بس قرآن کریم کی تعلیم اپنے حسن کو زور سے منواتی ہے یعنی زورِ دلیل سے، عقل کی قوت سے اور بے اختیار کر کے رکھ دیتی ہے مقابل کے باطل کو، اس کی پیش ہی نہیں جانے دیتی۔ جب ایک غلط قدم اٹھا لیں گے تو مخالف پر غلط قدم اٹھتے اٹھتے بالکل برعکس نتائج پیدا ہوں گے، مسلمان قوم کی حفاظت کی بجائے مسلمان قوم کی ہلاکت کے سامان پیدا کر لیں گے اگر آپ قرآن کی تعلیم سے پیچھے ہٹیں گے اور ساری دنیا میں اسلام کی تبلیغ بند کیونکہ Reciprocal Basis پر کام چلتا ہے آج کل، پہلے بھی چلا کرتا تھا، اب بھی چلتا ہے، آئندہ بھی یہی ہوگا۔ جب ایک قوم میں کسی دوسرے نظریہ کے حقوق کو تلف کیا جائے تو دوسری قوم انہیں حقوق کو خود استعمال کرتی ہے پھر دوسرے کے مقابل پر، تو اس سے زیادہ ظالمانہ سکیم، ایسی خوفناک سازش جس دماغ میں آئی ہے یا جن دماغوں میں اس نے پرورش پائی ہے ان کا تو بعد میں اگر وہ اجازت دیں تو معلوم کرنا چاہئے کہ کس نوع کے وہ دماغ تھے کہ ہر بات میں الٹ۔ خودکشی کا اس سے زیادہ خوفناک طریقہ سوچا ہی نہیں جا سکتا اور پھر قرآن کی طرف منسوب کیا جا رہا ہے نعوذ باللہ من ذالک، رسول اکرم ﷺ کی طرف منسوب کیا جا رہا ہے۔ تو

جب یہاں تک دستور پہنچ جائے۔ تو پھر واقعۃً وہی بات رہتی ہے کہ اب تم چھوڑ دو اس بات کو، اب خدا سے وہ مانگو جس کا تم ہمیں وعدہ دیا کرتے تھے۔

اس بات میں جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے کہ پرانی قومیں عقل کے لحاظ سے بہتر تھیں کئی باتوں میں، بعض نتیجے وہ بالکل درست نکالتے تھے۔ وہ کہتے تھے کہ جب ہم نے حد ہی کر دی ہے ظلم کی تم پر تو اب اس کے سوا اور رستہ ہی کوئی نہیں رہا کہ تم جس خدا کی طرف منسوب ہوتے ہو جس کے برتے پر ناچ رہے ہو اور ایسی بڑی بڑی باتیں کرتے ہو پھر اس کو بلاؤ، اب تو ہمارا فیصلہ وہی کرے گا اور قرآن ان کے اس دعوے کو تسلیم کرتا ہے اور یہی اعلان کرتا ہے بعد میں کہ ہاں پھر یہی ہوگا۔ اب تمہارا اور ہمارا معاملہ ختم ہے اب ہمارے خدا کا اور تمہارا معاملہ ہے اور پھر تم سے وہی سلوک کرے گا جو اس سے پہلے اس کردار کے لوگوں سے سلوک ہوتا چلا آیا ہے۔

اس لئے دعائیں بہت کریں کثرت سے کریں، ابھی یہ مضمون آگے بڑھ رہا ہے رک نہیں گیا۔ جو دلوں میں بغض ہیں وہ ابھی پوری طرح کھل کر نہ باہر آئے ہیں نہ ان کی پیاس بجھی ہے کیونکہ جہنم کی یہ تعریف قرآن کریم نے بتائی ہے کہ اس کی پیاس نہیں بجھا کرتی اور یہ ایسی ایک لازمی حقیقت ہے، ایسی غیر مبدل حقیقت ہے کہ ہمیشہ کے لئے یہ دستور جاری ہے کوئی اس کو بدل نہیں سکتا کہ محبت کی پیاس تو بجھ جایا کرتی ہے وصل سے لیکن نفرت کی پیاس انتقام کے باوجود نہیں بجھا کرتی۔ بھڑک جاتی ہے اور بھی، کہتے ہیں اور بھی کچھ ہو هَلِ امْتَلَأْتِ جب پوچھا جاتا ہے تو کہتی ہے هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ (قٓ:۳۱) کہ اللہ میاں ابھی کہاں ابھی کچھ اور ڈال، ہماری آگ میں ذرا اور بھی بھڑکن پیدا ہو تو زیادہ لطف آئے گا، تو یہ سلسلہ ختم نہیں ہوا۔ خدا کی تقدیر کے سوا کوئی طاقت نہیں ہے جو اس سلسلے کو ختم کر سکے اس لئے بار بار گریہ وزاری کے ساتھ خدا کی طرف جھکیں اور جھکتے چلے جائیں اور بے صبری نہ دکھائیں کیونکہ بے صبری دعاؤں کو کاٹ دیا کرتی ہے اور بے صبری ہمیشہ کفر پر منتج ہو جایا کرتی ہے اور پھر ایسے بڑے بول انسان بولنے لگ جاتا ہے کہ ہم تو مٹ گئے سجدوں میں، ہم تو اتنا روئے، کہاں تھا وہ خدا وہ تو کہیں نہیں آیا ہماری مدد کے لئے؟

بے صبری تو پھر وہیں پہنچا دے گی۔ جہاں شیلے کو جو انگریز Poet تھا اس کے بے صبری نے پہنچایا تھا۔ چند غاروں میں جا کے آوازیں دیں کہ خدا ہے، ہے کہ نہیں ہے اور گونج پیدا ہوتی رہی اس کے سوا اس کو کچھ حاصل نہ ہوا اور تھوڑی دیر کے بعد اعلان کر دیا میں تو سب غاروں میں پھر آیا ہوں،

آوازیں دے آیا ہوں، خدا کوئی نہیں ہے۔تو مومن کے لئے بے صبری ایک زہر قاتل کا حکم رکھتی ہے اسی لئے قرآن کریم میں بے انتہاء صبر پر زور دیا ہے۔**صبر کے ساتھ دعائیں کرتے چلے جائیں اور یہ فیصلہ کرلیں کہ اگر ہمیں ہزار سال کی بھی زندگی ملے اور نعوذ باللہ، اللہ تعالیٰ نے ہزار سال سے لمبی آزمائش ہماری مقدر کردی ہوتو ہم اپنے رب کا دامن نہیں چھوڑیں گے اور کوئی کلمۂ کفر اس کے مقابل پر نہیں کہیں گے۔ ہم بندگی کا حق ادا کرتے رہیں گے اور یہ عرض کرتے رہیں کہ اے مالک! تو اپنی مالکیت کے حق جب چاہے ادا کرے ہمارا کچھ بھی نہیں ہے۔ یہ روح آپ پیدا کریں پھر دیکھیں کہ خدا تعالیٰ کس طرح کائنات کو آپ کی خاطر تبدیل کردے گا۔**

خطبہ ثانیہ کے دوران حضور نے فرمایا:

دو جنازے غائب ہیں جو نماز کے بعد پڑھے جائیں گے یعنی نماز عصر کے بعد۔آج چونکہ خدام کا اجتماع ہے اس لئے آج انشاء اللہ جمعہ کے ساتھ عصر کی نماز جمع ہو جائے گی اور اس کے بعد دوست کھڑے ہو جائیں دوبارہ صف بندی کرلیں تا کہ دو نماز جنازہ پڑھے جائیں گے غائب۔ایک محمد ادریس ہیں جو پرانے صدر انجمن کے ایک ڈرائیور تھے محمد اسماعیل صاحب، بڑے مخلص، تبلیغ کا بڑا شوق رکھنے والے، اُن کا بائیس سالہ جوان بیٹا ان ہنگاموں کے دوران پہاڑی پر ڈیوٹی دے رہا تھا تو وہاں کہیں پاؤں رپٹ گیا اس کا اور پہاڑی سے گرا تو پھر جانبر نہیں ہو سکا صدموں سے۔تو یہ بھی ایک شہادت کا ایک رنگ ہے اور یقیناً شہادت کا رنگ ہے۔دوسرے ہمارے ایک کراچی کے بہت پرانے خادم سلسلہ عبدالرحیم صاحب مدہوش وہ بھی ایک حادثے میں وفات پا گئے۔ چونکہ خدمت دین میں ان کو ایک نمایاں حیثیت حاصل رہی ہے، بہت پرانے کراچی کے خادموں میں سے صف اول میں تھے اس لئے ان دونوں کی نماز جنازہ عصر کے بعد ہوگی۔

عصر کے بعد یہ جو ہمارے خدام یا انصار باہر سے تشریف لائے ہوئے ہیں ان میں سے جو غیر ملکی یعنی پاکستان کے نقطہ نگاہ سے غیر ملکی اور جن ملکوں سے آئے ہیں وہاں کے ملکی ہیں حقیقی، وہ مجھے مل لیں فوراً بعد۔باقی پھر انشاء اللہ دوبارہ ملاقات ہوگی لیکن ایک دفعہ ان سے مصافحہ ہو جائے یعنی جرمنی سے آنے والے جرمن اگر ڈنمارک سے کوئی ڈین آیا ہوا ہے تو وہ بھی اگر سویڈن سے کوئی سویڈ آیا ہوا ہے وہ بھی یہ میری مراد ہے وہ بھی نماز کے فوراً بعد یہاں مل لیں مجھے جب رستہ بنایا جائے تو یہاں کھڑا کر دیں انہیں۔